Volume 03, Issue 02,
April-June 2025
PP: 19-34
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعوتی اسلوب اور عصر حاضر میں اس سے استفادہ کی صورتیں

(تفسیر مظہری اور تدبر قرآن کا تخصیصی مطالعہ)

The Prophetic Method of Da'wah of Ḥaẓrat Ibrāhīm and Its Contemporary Applications:

A Special Study of ***Tafsīr Maẓharī*** *and* ***Tadabbur-i-Qur'ān***

Bilal Ahmed [1]*, Arooba Kousar [2]

Article History

Received
14-04-2025

Accepted
02-05-2025

Published
03-05-2025

Indexing

WORLD of JOURNALS
ASIAN Research Index
Signatory of DORA
اشاریہ اردو جرائد
ACADEMIA
Google Scholar
EuroPub

Abstract

The da'wah (invitation to faith) methodology of Ḥaẓrat Ibrāhīm 'alayhi al-salām offers a timeless paradigm for effective religious communication. Distinguished by wisdom, rational discourse, and unwavering commitment to tawḥīd (monotheism), his approach exemplifies prophetic clarity and moral conviction. This study investigates the strategic methods employed by Ḥaẓrat Ibrāhīm in his call toward divine truth, as interpreted through Tafsīr Maẓharī and Tadabbur-i-Qur'ān, with a focus on their relevance to contemporary religious, intellectual, and socio-cultural challenges. The central objective is to explore how Ḥaẓrat Ibrāhīm employed logical reasoning to confront shirk (idolatry), initiated meaningful dialogue with his community and its rulers, and demonstrated firm reliance on waḥy (revelation). A comparative analysis of Tafsīr Maẓharī by Qāḍī Thanā' Allāh Pānīpatī and Tadabbur-i-Qur'ān by Amīn Aḥsan Iṣlāḥī reveals the foundational Qur'ānic principles of da'wah that transcend time and context. Findings highlight that the methodology of Ibrāhīm 'alayhi al-salām not only served as a compelling form of persuasion in his era but also remains profoundly relevant for contemporary da'īs, educators, and scholars. His method encourages interfaith dialogue, corrects ideological misconceptions, and promotes ethical and spiritual renewal.

This research affirms the enduring value of classical Qur'ānic exegesis in deriving practical guidance for modern pluralistic societies and underlines the necessity of reviving prophetic models in da'wah discourse today.

Keywords:

Ḥaẓrat Ibrāhīm, Da'wah methodology, Tawḥīd (Monotheism), Rational argumentation, Tafsīr Maẓharī, Tadabbur-i-Qur'ān, Qur'ānic da'wah principles, Interfaith dialogue, Contemporary Islamic discourse, Religious communication, Classical Qur'ānic exegesis.

[1] *MPhil Scholar, Arabic Department, Minhaj University, Lahore. qadribilal505@gmail.com.*
**Corresponding Author*
[2]*MPhil Scholar, Theology and Religious Studies, Minhaj University, Lahore. aroobayounas430@gmail.com.*

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development
ROAD DIRECTORY OF OPEN ACCESS SCHOLARLY RESOURCES
OPEN ACCESS

تعارف:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے اسالیب نہایت مؤثر اور جامع تھے، جو ہر دور کے انسانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ علیہ السلام نے اپنی دعوت کی بنیاد توحید پر رکھی اور مشرکانہ عقائد کے خلاف بھرپور دلائل کے ساتھ بات کی۔ آپ کا اسلوب دلائل پر مبنی اور عقلی تھا، جس میں آپ نے ستاروں، چاند اور سورج کی پرستش کرنے والوں کو ان کی حقیقت سمجھائی اور اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمت اور نرمی کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ اپنے والد اور قوم کو نرمی اور محبت کے ساتھ سمجھایا، باوجود یکہ وہ آپ کے دشمن ہو گئے تھے۔ آپ علیہ السلام کا اسلوب دعوت اصلاحی اور تعمیری تھا، جس میں آپ نے قوم کے باطل عقائد کو رد کرتے ہوئے حق کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے قربانی اور جدوجہد کی عظیم مثال قائم کی، جب اللہ کے حکم پر اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کے علاوہ آپ علیہ السلام نے اپنے خاندان کو بھی دعوت دی اور اللہ کے گھر کی تعمیر کر کے توحید کی بنیاد کو مضبوط کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا اسلوب وہ ہے جو حکمت، نرمی، استقامت اور قربانی کا مرقع ہے، جو آج بھی ہر داعی کے لیے مشعل راہ ہے۔ ذیل میں دعوت اور اسلوب کا معنیٰ و مفہوم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب دعوت بیان کیا جاتا ہے:

دعوت کا معنیٰ و مفہوم:

دعوت کا لفظ "دعاء" سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب کسی چیز کی طرف بلانا اور اسے مقصد کی جانب راغب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے) اس کا مطلب لوگوں کو بھلائی پر جمع کرنا اور انہیں راست روی کی طرف رہنمائی کرنا ہے، یعنی انہیں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ [1]

الدعوة إلى الله هي الدعوة إلى الإيمان به، وبما جاءت به رسله، بتصديقهم فيما أخبروا به وطاعتهم فيما أمروا، وذلك يتضمن الدعوة إلى الشهادتين وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة وصوم رمضان وحج البيت، والدعوة إلى الإيمان بالله وملائكته وكتبه ورسله والبعث بعد الموت والإيمان بالقدر خيره وشره والدعوة إلى أن يعبد العبد ربّه كأنه يراه والداعية: هو الذي يدعو إلى الله تعالى على بصيرة[2]

"اللہ کی طرف دعوت دینے کا مطلب ہے، اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دینا اور اس پر ایمان لانا جو اس کے رسولوں نے بیان کیا ہے، ان کی خبروں کی تصدیق کرنا اور ان کے احکام کی پیروی کرنا۔ اس میں دو گواہیوں (کلمہ شہادتین) کی دعوت دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج شامل ہے۔ نیز اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لانے کی دعوت دینا بھی شامل ہے اور یہ بھی دعوت دینا کہ بندہ اپنے رب کی اس طرح عبادت کرے جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہو۔ داعی وہ شخص ہے جو بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔"

اسالیب کا معنیٰ و مفہوم:

ذیل میں اسالیب اور وسائل کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات پیش کی جا رہی ہیں۔

ابن منظور افریقی اسلوب کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الأسلوب الطريق، والوجه، والمذْهَبُ؛ يُقَالُ: أنتم فِي أَسْلُوبِ سوء، ويُجمع أساليب، والأسلوب : الطريق تأخذ فيه. والأسلوب، بالضم: الفَنُّ يُقَالُ: أخذ فلان في أساليب مِنَ الْقَوْلِ أَي أَفَانِينَ مِنْهُ وَإِنَّ أَنْفَه لَفِي أَسْلُوبِ إِذَا كَانَ مُتَكَبِّرا[3]

اسلوب کا مطلب راستہ، طریقہ اور مذہب (مکتب فکر) ہے، کہا جاتا ہے: (تم لوگ بد اسلوبی پر ہو) اور اسلوب کی جمع اسالیب ہے اور اسلوب وہ راستہ ہے جس پر آپ چلتے ہیں۔ اسلوب، ضمہ کے ساتھ فن کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: (فلاں نے بات کے اسالیب اختیار کیے، یعنی اس نے مختلف انداز اپنائے) اور اگر کہا جائے کہ (اس کی ناک اسلوب میں ہے) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ متکبر ہے۔

اسی طرح المعجم الوسیط میں اسلوب کا معنیٰ اس طرح بیان ہوا:

(اسلوب) راستہ ہے۔ کہا جاتا ہے: میں نے فلاں کے اسلوب پر چلنا اختیار کیا، یعنی اس کا طریقہ اور مکتب فکر، اور لکھنے والے کا لکھنے کا طریقہ، اور فن کہا جاتا ہے: ہم نے بات کے اسالیب میں مختلف فنون اپنائے۔[4]

اصطلاح میں اس سے مراد:

المراد بالأساليب هي الفنون والطرق المختلفة التي يسلكها الداعية حسب التيسير والنفع[5]

اسالیب سے مراد وہ مختلف فنون اور طریقے ہیں جو داعی اپنی دعوت کے دوران حالات کی مناسبت اور نفع کے مطابق اختیار کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے اسالیب:

حضرت ابراہیم علیہ السلام انبیاء کے والد اور داعیوں و پرہیز گاروں کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ وہ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے خالص توحید کی دعوت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے لیے توحید کی دعوت دینے میں اور اپنے والد کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرنے میں ایک بہترین نمونہ ہیں۔ ان کا قوم کے بت پرستوں کے ساتھ عقلی دلائل کے ذریعے محاجہ کرنا، یہ سب کچھ قرآن کریم نے ہمیں نہایت عمدہ انداز میں سنایا ہے جو دلوں کو موہ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو غصے میں آئے اور نہ ہی ان کے خطاب میں کوئی سختی تھی، کیونکہ وہ ایک مضبوط بنیاد پر کھڑے تھے، ان کے دلائل کی قوت اور ان کے براہین کی صداقت اس بات کی دلیل تھی۔ ذیل میں ان اسالیب کو جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت میں اختیار فرمایا، تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے۔

1) اسلوب استعطاف:

داعی جب دعوت کے عمیق معاملات میں مشغول ہوتا ہے تو کبھی کبھار اسے جوش و خروش اور اللہ اور رسول ﷺ کے لیے جذباتی رد عمل آتا ہے، لیکن اسے چاہیے کہ وہ نہ تو بد تمیزی کرے، نہ جہالت کا مظاہرہ کرے، نہ تنقید کرے اور نہ ہی تکبر دکھائے۔ استعطاف کا مطلب ہے دل کو مائل کرنا اور شفقت حاصل کرنا۔ جیسا کہ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

هو الميل والشفقة، يقال: عطف عليه وثَناهُ عاطِفَةُ رَحِمٍ[6]

استعطاف کا معنیٰ میلان اور شفقت ہے۔ کہا جاتا ہے: وہ اس پر مہربان تھا اور اس پر شفقت کرتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے ساتھ دعوت کا جو اسلوب سب سے پہلے اپنایا وہ استعطاف (ادب اور نرمی) کا انداز تھا۔ جب ان کے والد نے غیرت اور حق کے خلاف بات کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا[7]

جب انہوں نے اپنے باپ (یعنی چچا آزر سے جس نے آپ کے والد تارخ کے انتقال کے بعد آپ کو پالا تھا) سے کہا: اے میرے باپ! تم ان (بتوں) کی پرستش کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ تم سے کوئی (تکلیف دہ) چیز دور کر سکتے ہیں۔

استعطاف کے معنی میں شامل ہے کہ بندے کو نعمت دینے والے کی عظمت کا یاد دلانا، تاکہ اس کا شکر گزار اللہ کے لیے ہو، نہ کہ کسی اور کے لیے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو ضلالت اور گمراہی سے روکا اور اللہ کی نعمتوں کا ذکر کیا:

یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا[8]

اے میرے ابّا! شیطان کی پرستش نہ کیا کرو، بیشک شیطان (خدائے) رحمان کا بڑا ہی نافرمان ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو نہایت ادب اور شفقت سے شرک کی گمراہی پر متنبہ کیا۔ انہوں نے سوال اُٹھایا کہ وہ ایسی بے بس مخلوقات کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتی ہیں، نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ ہی کسی نفع و نقصان پر قادر ہیں۔ عبادت کی مستحق صرف وہی ذات ہے جو بے نیاز، قادرِ مطلق اور ہر چیز پر اختیار رکھتی ہے۔ عقل سلیم کے مطابق، کوئی بھی محتاج مخلوق، چاہے فرشتہ ہو یا نبی، معبود ہونے کا حق نہیں رکھتی، چہ جائیکہ بے جان اور بے حس بتوں کو پوجا جائے، جو سراسر جہالت ہے۔[9]

اسی طرح امین احسن اصلاحی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ تقریر ہے جو وحی الٰہی سے سرفراز ہونے کے بعد سب سے پہلے انہوں نے اپنے باپ آزر کے سامنے کی ہے۔ اس تقریر میں یاابت (اے میرے باپ) کی تکرار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دل سوزی، دردمندی اور استمالت کی دلیل ہے۔ ایک سعادت مند بیٹے کے اندر باپ کی گمراہی سے جو تعلق خاطر اور جو اضطراب ہونا چاہیے وہ فقرے فقرے سے نمایاں ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے نہ کہ چچا کا، جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے اور جس کو بے سوچے سمجھے ہمارے بعض مفسرین نے بھی قبول کر لیا اور پھر سبائیوں نے اس کو ایک فتنہ کا ذریعہ بنالیا۔ ہم تورات کی اس روایت کی اس کے محل میں تردید کر چکے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے انکار اور سخت رویے کے باوجود امید کا دامن نہیں چھوڑا اور نصیحت اور مشورے کا سلسلہ جاری رکھا، حتیٰ کہ انہوں نے اپنے والد کو دھمکی دینے کے دوران بھی کہا:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا[10]

(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: (اچھا) تمہیں سلام، میں اب (بھی) اپنے رب سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا، بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے (شاید تمہیں ہدایت عطاء فرمادے)

انہوں نے اپنے والد کے لیے احترام اور عظمت کے الفاظ استعمال کیے، جیسے "یا أبت" (پیارے والد) لہٰذا استعطاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتی خصوصیات میں شمار ہوتا ہے، جو اکثر دلوں کو جیتنے اور دور ہو جانے والے دلوں کو قریب کرنے میں مددگار ہوتا ہے اور نرمی سے اچھائی حاصل کی جاتی ہے، بجائے زجر، ملامت اور سرزنش کے۔ دعوت کا قانون کسی خاص شخصیت تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ علم، معرفت، ہدایت اور ربانی فیض ہے۔

عصر حاضر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعوتی اسلوب استعطاف سے استفادہ کی صورتیں:

خاندانی تعلقات میں استعطاف:

عصر حاضر میں بھی استعطاف کا اسلوب خاندانی تعلقات میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اکثر لوگ اپنے والدین، بزرگوں یا دیگر خاندان کے افراد کو دینی باتیں سمجھانے میں مشکل محسوس کرتے ہیں۔ اگر ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسلوب کو اپنائیں، تو نرمی اور ادب کے ساتھ بات کر کے ہم اپنے خاندان کے لوگوں کے دل میں بات اُتار سکتے ہیں۔ یہ اسلوب نہ صرف دلوں کو جیتنے میں معاون ہوتا ہے بلکہ خاندان کے افراد کے درمیان محبت اور احترام کو بھی فروغ دیتا ہے۔

دعوتی مشن میں استعطاف:

جدید دور میں دعوتی مشن کے لیے یہ اسلوب نہایت اہم ہے۔ آج کے دور میں جب لوگ بہت ساری مختلف آراء اور خیالات رکھتے ہیں، تو ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ نرمی اور شفقت کے ساتھ اپنی بات پیش کرے۔ سختی، غصہ یا تنقید کی بجائے، نرم لہجے اور محبت کے ساتھ دعوت پیش کی جائے تو لوگ اسے قبول کرنے کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

تعلیمی اداروں میں استعطاف کا کردار:

تعلیمی اداروں میں اساتذہ اور طلبہ کے درمیان تعلقات میں بھی یہ اسلوب بہت مؤثر ہو سکتا ہے۔ جب اساتذہ اپنے طلبہ کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آتے ہیں، تو طلبہ نہ صرف ان کی بات کو سنجیدگی سے لیتے ہیں بلکہ ان کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے بھی تیار ہوتے ہیں۔

دینی مکالمہ اور مباحثہ میں استعطاف:

آج کے دور میں دینی مکالمات اور مباحثے میں اکثر سختی اور تنقید کا سامنا ہوتا ہے، جو لوگوں کو مزید دور کر دیتا ہے۔ اگر ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسلوب کو اپنائیں اور دینی باتوں کو نرم لہجے میں پیش کریں، تو لوگ زیادہ آسانی سے انہیں قبول کریں گے۔

مخالفین کے ساتھ معاملہ کرنے میں استعطاف:

مخالفین کے ساتھ گفتگو اور مکالمہ کرتے وقت بھی نرمی اور شفقت کا مظاہرہ کیا جانا چاہیے۔ آج کے دور میں بہت سی غلط فہمیاں اور تنازعات صرف اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ہم اپنے مخالفین کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں۔ اگر ہم نرمی اور محبت کے ساتھ بات کریں، تو شاید وہ ہماری بات کو زیادہ غور سے سنیں اور اپنی رائے میں تبدیلی لائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استعطاف کے اسلوب کو اپنانا عصر حاضر میں نہایت اہم ہے۔ چاہے وہ خاندانی تعلقات ہوں، دعوتی مشن ہو، تعلیمی ادارے ہوں، یا مخالفین کے ساتھ مکالمہ ہو، ہر جگہ نرمی، شفقت، اور ادب کے ساتھ بات کرنے سے ہی دل جیتے جاسکتے ہیں۔ اگر ہم اس اسلوب کو اپنائیں، تو موجودہ دور کے چیلنجز کا سامنا زیادہ مؤثر طریقے سے کرسکتے ہیں اور لوگوں کو دین کی طرف مائل کرسکتے ہیں۔

2)اسلوب مناظرہ اور محاجہ:

مناظرہ (debates) اور محاجہ (arguments) اسلامی دعوت و تبلیغ کے اہم اسالیب ہیں۔ یہ دونوں اصطلاحات مختلف مواقع پر استعمال ہوتی ہیں جہاں داعی (preacher) کو مختلف خیالات اور عقائد کا سامنا ہوتا ہے اور انہیں دلیل کے ساتھ رد یا وضاحت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب داعی کو ایسے لوگوں سے سامنا ہوتا ہے جو مختلف عقائد یا مذاہب کے پیروکار ہیں، تو وہ ان کے ساتھ مناظرہ یا محاجہ کے ذریعے سچائی کی تبلیغ کرتا ہے۔ مناظرہ اور محاجہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے امام جرجانی اپنی کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں:

قريبتا المعنى، وهي: النظر بالبصيرة من الجانبين في النسبة بين الشيئين إظهاراً للصواب[11]

یہ معنی میں قریب ہیں، یعنی دونوں طرف سے بصیرت کے ساتھ معاملہ کرنا اور دونوں چیزوں کے درمیان تناسب کو ظاہر کرنا۔

امام قرطبی تفسیر أحکام القرآن میں لکھتے ہیں:

دلت الآيات على إثبات المناظرة والمجادلة وإقامة الحجة، وفي القرآن والسنة من هذا كثير لمن تأمله، فهو كله تعليم من الله السؤال والجواب والمجادلة في الدين، لأنه لا يظهر الفرق بين الحق والباطل إلا بظهور حجة الحق ودحض حجة الباطل، وجادل النبي (أهل الكتاب وباهلهم ، وتجادل أصحاب النبي (يوم السقيفة وتدافعوا وتناظروا حتى ظهر الحق وصدر ونفذ في أهله وغير ذلك، فالاحتجاج بالعلم والأدلة مباح وشائع[12]

آیات نے مناظرہ اور مجادلہ کی صحت اور دلیل قائم کرنے کو ثابت کیا ہے اور قرآن و سنت میں اس کی بہت سے مثالیں ہیں جن پر غور کرنے والا ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ یہ سب اللہ کی تعلیم ہے کہ سوالات، جوابات اور دین میں مجادلہ کیا جائے، کیونکہ حق اور باطل کے درمیان فرق صرف حق کی دلیل اور باطل کی دلیل کو مٹانے سے ظاہر ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے اہل کتاب سے مجادلہ کیا اور ان کے ساتھ مباہلہ کیا اور صحابہ نے یوم السقیفۃ میں ایک دوسرے سے مناظرہ کیا، یہاں تک کہ حق ظاہر ہوا اور فیصلہ ہوا۔ علم اور دلائل سے احتجاج کرنا جائز اور معمول ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان دو مناظرے اور محاجے ہوئے جن کو قرآن مجید نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔

پہلا مناظرہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ نمرود سے تھا، جس میں انہوں نے اللہ کی قدرت اور مطلق تصرف کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو دو ایسی چیزوں سے حجت دی جو ہر لمحہ ظہور پذیر ہوتی ہیں اور انسان کے قریب ترین ہیں اور جن کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا، وہ اللہ کی وہ خصوصیات ہیں جو کسی کو بھی نہیں مل سکتیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو بتایا کہ اللہ ہی ہے جو زندگی اور موت

دیتا ہے اور کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:ربی الذي يحيي ويميت(میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے)طاغوت نمرود نے ایک اور جھوٹا طریقہ اپنایا، اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہوئے اور قوم کو بھی گمراہ کرتے ہوئے۔ اس نے اللہ کی خصوصیات کو اپنے نام منسوب کیا اور کہا:أنا أحيي وأميت(میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں)

اس کا مطلب تھا کہ جو میں چاہوں قتل کر دوں، تو یہ میرا عمل ہے اور جو میں چاہوں زندہ چھوڑ دوں، تو یہ بھی میرا عمل ہے۔ یہ بیان اس بات پر مبنی تھا کہ اس نے اپنی طاقت کو اللہ کی قدرت کے ساتھ ملانے کی کوشش کی، جیسے کہ اللہ نے فرمایا:

وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا[13]

اور جس نے اسے (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا (یعنی اس نے حیاتِ انسانی کا اجتماعی نظام بچا لیا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے تجادل کا انداز اپنایا اور ایک واضح اور نمایاں دلیل کے ذریعے اس کی حجت کو باطل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ[14]

جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ (بھی) کرتا ہے اور مارتا (بھی) ہے، تو (جواباً) کہنے لگا: میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا: بیشک اللہ سورج کو مشرق کی طرف سے نکالتا ہے تُو اسے مغرب کی طرف سے نکال لا! سو وہ کافر دہشت زدہ ہو گیا اور اللہ ظالم قوم کو حق کی راہ نہیں دکھاتا۔

(اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے، تو اسے مغرب سے لے آؤ) یہ دلیل ایسی تھی کہ اس میں کسی قسم کی چالاکی یا جھگڑالو انداز کی گنجائش نہیں تھی۔ اس دلیل کے سامنے نمرود کی حجت باطل ہو گئی اور وہ بے بس ہو کر خاموش ہو گیا، کیونکہ وہ اس دلیل کے جواب میں کچھ نہ کر سکا اور حیرت میں پڑ گیا۔ جیسا کہ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

حضرات انبیاء کا طریق بحث:

نمرود کے سوال کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف میں سب سے پہلے وہی بات کہی جو سب سے زیادہ واضح تھی۔ یعنی میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے۔ جو شخص بھی زندگی اور موت کے سوال پر غور کرتا ہے یہ سوال اس کو خدا کے ماننے پر مجبور کر دیتا ہے بشرطیکہ اس کے دماغ میں کوئی خلل نہ ہو لیکن نمرود کے ذہن میں اقتدار کا خناس سمایا ہوا تھا اس وجہ سے اس نے اس واضح حقیقت پر بھی یہ معارضہ کر دیا کہ موت اور زندگی پر اختیار تو میں بھی رکھتا ہوں، جس کا چاہوں سر قلم کر دوں، جس کو چاہوں بخش دوں۔ ظاہر ہے کہ یہ معارضہ ایک بالکل ہی احمقانہ معارضہ تھا اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بالکل ہی دوسری بات فرمائی تھی اور یہ ایک بالکل ہی دوسری بات تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چاہتے تو دونوں باتوں کے درمیان جو فرق ہے اس کو واضح کر دیتے لیکن انہوں نے محسوس فرمالیا کہ ان کی واضح بات پر اس قسم کا احمقانہ معارضہ وہی کر سکتا ہے جو کٹ حجتی پر اُتر آیا ہو، اس وجہ سے انہوں نے اس کو مزید حجت کے لیے موقع دینا پسند نہیں فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام مناظر نہیں بلکہ داعی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے خاص اس پہلو پر الجھنے کے بجائے اپنے

رب کی ایک دوسری صفت بیان کر دی جس میں نمرود کے لیے کسی بحث کی راہ بالکل مسدود تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ اچھا، اگر یہ بات ہے تو میرا رب روز سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تم ایک دن ذرا اس کو مغرب سے نکال کر دکھادو۔ حجت ابراہیمی کا یہ وار ایسا بھرپور تھا کہ وہ ہکا بکا رہ گیا۔

یہاں بلاغت کا یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خاص طور پر سورج کی تسخیر کا ذکر فرمایا جس کو نمرود کی نظر میں معبود اعظم کی حیثیت حاصل تھی اور وہ اپنے آپ کو اسی معبود اعظم کا مظہر بنائے ہوئے بیٹھا تھا۔ بہترین استدلال اور لطیف ترین طنز کی یہ ایک نہایت خوب صورت مثال ہے۔

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ نمرود نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک شخص کو قتل کیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا، یہ سمجھے بغیر کہ تخلیق اور سبب میں فرق ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ حقیقت کو نہیں سمجھ رہا، تو انہوں نے دلیل بدلی اور کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، اگر تو خود کو قادر سمجھتا ہے تو اسے مغرب سے نکال۔ اس پر نمرود لاجواب اور حیران رہ گیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رب چاہے تو ایسا کر سکتا ہے، جیسے آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنے دلائل کے ذریعے قوم کے سامنے حق کو واضح کرنے کی توفیق عطاء کی، جیسا کہ فرمایا: "وتلك حجتنا آتيناها إبراهيم على قومه"[15] نمرود، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو گیا تھا، اپنی بے وقوفی اور شکست کو چھپانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پاگل قرار دینے لگا۔ اس نے اپنی مجلس کے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا اور آگ سے محفوظ رہنا اس کے پاگل پن کی علامات ہیں۔ نمرود اپنی جھوٹی خدائی کے دعوے میں سورج کو مشرق سے لانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ یہ بات ہر عقل رکھنے والے کے لیے واضح جھوٹ تھی۔

دوسرا مناظرہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد اور قوم سے تھا، جس میں انہوں نے اللہ کی الوہیت اور ربوبیت کو ثابت کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو یقینی دلائل فراہم کیے کہ یہ معبودان باطل ہیں اور اللہ واحد اور برحق ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کسی عاقل کو بغیر کسی دلیل اور برہان کے معبود نہ بنانا چاہیے، جیسے کہ فرمایا:

> اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا [16]
>
> تم نے اللہ کے ساتھ (بتوں کو) شریک بنا رکھا ہے (جبکہ) اس نے تم پر اس (شرک) کی کوئی دلیل نہیں اُتاری (اب تم ہی جواب دو!)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی الوہیت اور ربوبیت کو تین خصوصیات کے ذریعے ثابت کیا: بقاء، دوام اور عظمت۔ انہوں نے یہ دلیل دی کہ سب سے قریب اور واضح چیزیں، جو ہمیشہ نظر آتی ہیں، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ واحد ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے کے کچھ مشہور اقتباسات ہیں:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ
فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ
فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ [17]

امین احسن اصلاحی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی دعوت میں یکساں ہوتے ہیں، لیکن ان کے طرزِ خطاب میں قوموں کے مزاج کے مطابق فرق پایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مناظرہ پسند تھی، اس لیے آپ نے استدراج کا طریقہ اپنایا، یعنی ایسے دلائل دیے جن سے وہ خود کو گھرا ہوا محسوس کریں۔ ایک مثال یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے قوم کے تمام بت توڑ دیئے، صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ جب سوال ہوا تو فرمایا کہ بڑے بت سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتا ہے۔ یہ سن کر وہ شرمندہ ہوئے کہ وہ کیسے معبود ہیں جو اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے؟ مگر پھر جاہلیت کے جوش میں بولے کہ انہیں معلوم ہے کہ بت بول نہیں سکتے اور اس طرح اپنی بے عقلی کا اعتراف کر بیٹھے۔ اس استدراج اور اس توریہ میں کہیں کہیں پاکیزہ ظرافت بھی شامل ہو جاتی ہے جو کچھ تو اس استدراج اور توریہ کا فطری تقاضا ہوتی ہے اس لیے کہ ہر کام ایک مخصوص انداز اور مخصوص اسلوب کا طالب ہوتا ہے اور کچھ اس میں اس لطافتِ ذوق کی نمود بھی ہوتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزاج کی ایک خصوصیت ہے۔ اس کی نہایت عمدہ مثالیں سورۃ انبیاء اور سورۃ صافات میں آئیں گی۔

حجت ابراہیمی کی وضاحت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک ستارے کو چمکتے دیکھا تو کہا: "یہ میرا رب ہے"۔ غالباً یہ بات خود سے کہی تا کہ دوسروں کے کان میں بھی پڑے۔ ان کی قوم کو وقتی اطمینان ہوا کہ شاید ابراہیم علیہ السلام ہمارے معبودوں کو ماننے لگے ہیں۔ مگر جب ستارہ ڈوب گیا تو فرمایا: "میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ اس پر لوگ سوچ میں پڑ گئے کہ ان کا انحراف محض نادانی نہیں بلکہ کسی مضبوط دلیل پر مبنی ہے۔ چونکہ انہوں نے براہِ راست چیلنج نہیں کیا، اس لیے قوم مشتعل ہونے کے بجائے شکوک میں مبتلا ہو گئی۔ اسی طرح مفسرین میں سے آلوسی نے یہ ذکر کیا ہے کہ:

أن السر في استدلال إبراهيم بالنجوم أن القوم كانوا منجمين- والاحتجاج عليهم من واقع معرفتهم وإدراكهم أقوى إلزاما للحجة- وإنما كان يناظرهم على طريقتهم ليبين لهم أن النجوم تقوى وتضعف حسب وقت مطلعها وأفولها، فنبه بهذه الدقيقة على أن الإله هو الذي لا تتغير قدرته إلى العجز وكماله إلى النقصان، والكواكب باستحالتها إلى القوة تارة والضعف أخرى ناقصة التأثير عاجزة التدبير، مسخرة لا تملك لنفسها تصرفاً ومثل هذه لا تصلح للإلهية [18]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کا استدلال اس لیے کیا کیونکہ قوم کے لوگ نجومی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے موجودہ علم اور سمجھ بوجھ کے مطابق دلیل دی تا کہ ان کی خود کی سمجھ بوجھ کو چیلنج کیا جا سکے۔ انہوں نے دکھایا کہ ستارے وقتاً فوقتاً مختلف ہوتے ہیں ان کی قوت اور کمزوری کا انحصار ان کے طلوع اور غروب کے اوقات پر ہوتا ہے۔ اس طرح، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ واضح کیا کہ اللہ واحد ہے جس کی قدرت کبھی کمزور نہیں ہوتی اور نہ ہی اس میں

کوئی نقص آتا ہے۔ ستارے اور دیگر کائناتی چیزیں وقتی طور پر طاقتور یا کمزور ہو سکتی ہیں اور خود مختار نہیں ہیں، اس لیے وہ معبود ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے محاجہ میں ان کے مخالفین نے اپنے بتوں کے دفاع کے لیے دھمکی اور خوف کو استعمال کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دکھایا کہ ان کے مخالفین کا خوف اور دھمکی بے بنیاد ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ ان کے معبود بے بس ہیں اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے خوف کو مسترد کرتے ہوئے اپنی امن کی حالت پر زور دیا، کیونکہ ان کا ایمان اور اللہ پر اعتماد ان کی حفاظت کا ضامن تھا۔

عصر حاضر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعوتی اسلوب مناظرہ اور محاجہ کے ذریعے استفادہ کی صورتیں:

عصر حاضر میں مناظرہ اور محاجہ کے ذریعے استفادہ کرنے کے کئی اہم پہلو ہیں جو دینی، فکری اور معاشرتی مسائل کے حل کے لیے راہنمائی فراہم کر سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں مناظرہ اور محاجہ کی کئی مثالیں ملتی ہیں، جن سے آج کے دور میں بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔

فکری اور علمی مباحث:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وقت کے سب سے بڑے مسائل پر فکری اور علمی مباحث کیے، جیسے نمرود کے ساتھ توحید کے بارے میں مناظرہ۔ عصر حاضر میں جب مختلف فکری اور علمی نظریات پروان چڑھ رہے ہیں، اسلامی نظریات کا دفاع اور دوسروں کے سامنے اپنی بات کو مدلل انداز میں پیش کرنے کے لیے مناظرات کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ یہ مباحث مسلمانوں کو اپنے عقائد کی مضبوطی اور دوسروں کے سامنے دلائل کے ساتھ اپنے مؤقف کو پیش کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

تبلیغ کے مؤثر طریقے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے دلائل کے ساتھ توحید کی دعوت پیش کی۔ موجودہ دور میں، جب لوگ مختلف مذہبی اور فکری گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہیں، تبلیغ کے مؤثر طریقوں میں مناظرات کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی حقانیت کو عقلی اور منطقی دلائل کے ساتھ پیش کر کے لوگوں کو قائل کیا جا سکتا ہے۔

نوجوانوں کی تربیت:

مناظرات اور محاجہ کو نوجوانوں کی فکری تربیت کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے نوجوانوں کو سکھایا جا سکتا ہے کہ کس طرح علمی دلائل اور فکری مباحث کے ذریعے اپنے عقائد کا دفاع کیا جائے اور دوسروں کے سوالات کا مؤثر جواب دیا جائے۔ اس طرح نوجوانوں کو فکری اعتبار سے مضبوط بنایا جا سکتا ہے تاکہ وہ مختلف فکری چیلنجز کا سامنا کر سکیں۔

بین المذاہب مکالمہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے سیکھتے ہوئے بین المذاہب مکالمے کی حوصلہ افزائی کی جا سکتی ہے۔ عصر حاضر میں جب مختلف مذاہب اور فرقے ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں، مناظرات کے ذریعے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مکالمہ کیا جا سکتا ہے تاکہ انہیں اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگاہ کیا جا سکے۔

معاشرتی مسائل کا حل:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وقت کے بڑے مسائل پر لوگوں کے ساتھ محاجہ کیا، جیسے بت پرستی کا رد۔ عصر حاضر میں بھی معاشرتی مسائل جیسے کہ انتہا پسندی، فرقہ واریت، اور معاشرتی ناہمواریوں کے حل کے لیے مناظرات اور محاجہ کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے معاشرتی اصلاح کے لیے راہ ہموار کی جا سکتی ہے اور لوگوں کو صحیح راستے پر چلنے کی ترغیب دی جا سکتی ہے۔

عصر حاضر میں مناظرہ اور محاجہ کو مثبت اور تعمیری طریقے سے استعمال کر کے مسلمانوں کی فکری تربیت، تبلیغ اور معاشرتی اصلاح کے لیے اہم کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے سیکھتے ہوئے، ہمیں اس اہم ہتھیار کو مؤثر انداز میں استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

3) اسلوب استثارۃ الخصم ("مخالف کو اُبھارنا" یا "مخالف کو مشتعل کرنا")

استثارۃ الخصم کا مطلب ہے کہ مخالفین کو اپنے دلائل کے ذریعے چیلنج کیا جائے تا کہ وہ اپنے مؤقف کی کمزوریوں کو تسلیم کریں یا کمزور دلائل کو سامنے لائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طریقہ کار کا استعمال اپنے مخالفین کو ان کے باطل عقائد اور ادھورے دلائل کو سامنے لانے کے لیے کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مخالفین کے سامنے حقائق کو واضح کرنے اور ان کے دلائل کی کمزوریوں کو اجاگر کرنے کے لیے مختلف طریقے اپنائے۔ انہوں نے اپنے مخالفین کو مناظرات اور دلیل کے ذریعے چیلنج کیا تا کہ وہ اپنے مؤقف پر غور کریں اور اسے جانچ سکیں۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عملی طور پر اپنے مخالفین کو چیلنج کیا۔ انہوں نے ان کے بتوں کو توڑ ڈالا اور بڑے بت کو چھوڑ دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ[19]

پھر ابراہیم (علیہ السلام) نے ان (بتوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا سوائے بڑے (بُت) کے تا کہ وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔

ان آیات کی تفسیر میں امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

جذاذ پاش پاش اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ یہ اس مخفی تدبیر کا بیان ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ارادے کو بروئے کار لانے کے لئے اختیار فرمائی۔ انہوں نے موقع نکال کر بڑے بت کو چھوڑ کر باقی سب بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ بڑے بت کو اس خیال سے چھوڑ دیا کہ جب اس معاملہ کی تفتیش ہو تو وہ ان احمق لوگوں سے یہ کہہ سکیں کہ یہ تو اس بڑے کی کارستانی معلوم ہوتی ہے تو اس کی طرف رجوع کریں کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اور اگر یہ کہیں کہ یہ تو بولتے نہیں تو پھر ان پر اتمام حجت کا موقع ہاتھ آئے کہ جب یہ بڑے چھوٹے سب ہی گونگے ہیں تو آخر ان گونگوں بہروں کو معبود بنانے کے کیا معنی؟

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فجعلہم جذاذا الا کبیرا پس ان (بتوں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا مگر بڑے بت کو بغیر توڑے ان کے لئے چھوڑ دیا۔ جذاذ بروزن فعال بمعنی مفعول ہے جیسے حطام۔ یہ جذ سے ماخوذ ہے جذ کا معنی ہے کاٹنا۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں جذاذ جمع کا

صیغہ ہے لیکن اس کا کوئی مفرد نہیں ہے، کبیر سے مراد ہے بڑا بت جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہیں توڑا اور اس کے کاندھے پر تیر رکھ دیا۔ فَجَعَلَہُمْ میں جمع مذکر کی ضمیر اس لئے ذکر کی کہ بت پرستوں کے خیال میں ان کے بت ذی علم تھے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ليعتقدوا أنه هو الذي غار لنفسه وأنف أن تعبد معه هذه الأصنام الصغار فكسرها[20]

انہوں نے چاہا کہ یہ سمجھا جائے کہ بڑے بت نے خود کو بچانے کی کوشش کی اور باقی چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا، کیونکہ عموماً معبودوں کو اہم کاموں میں پناہ دی جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مخالفین کو گمراہ کرنے والے اور بے بنیاد عقائد پر سوالات اُٹھا کر اور معریض الفاظ استعمال کر کے انہیں چیلنج کیا۔ ان کے طریقے اس بات کی مثال ہیں کہ کس طرح ایک داعی اپنے مخالفین کے دلائل اور اعتقادات کو چیلنج کرنے کے لیے مختلف طریقے اپنا سکتا ہے۔

عصر حاضر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعوتی اسلوب استثارۃ الخصم کے ذریعے استفادہ کی صورتیں:

عصر حاضر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "استثارۃ الخصم" کے طریقے سے استفادہ کرنے کے کئی اہم طریقے موجود ہیں جو ہمیں مؤثر دعوت و تبلیغ اور دین کی حقانیت کو واضح کرنے کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ذیل میں کچھ اہم نکات بیان کیے گئے ہیں:

مخالفین کے نظریات کو چیلنج کرنا

عصر حاضر میں مختلف نظریات اور عقائد کی بھرمار ہے۔ ایک مؤثر داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان نظریات اور عقائد کو چیلنج کرے جو حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح مخالفین کے عقائد کے کمزور پہلوؤں کو سامنے لانا اور ان کی حقیقت کو ظاہر کرنا اہم ہے۔ اس طرح لوگوں کو ان کے باطل عقائد کے بجائے حق کی طرف راغب کیا جا سکتا ہے۔

منطق اور استدلال کا استعمال

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح منطق اور استدلال کا استعمال کیا، عصر حاضر میں بھی یہ ایک اہم ذریعہ ہے۔ موجودہ دور میں علمی مباحثات اور منطقی دلائل کے ذریعے لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنا ممکن ہے۔ مثلاً سائنسی دلائل، تاریخی شواہد اور فلسفیانہ مباحثات کے ذریعے دین اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔

عملی مثالوں کا پیش کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح عملی مثالوں کے ذریعے لوگوں کے سامنے حق کو واضح کیا، آج کے دور میں بھی عملی مظاہروں کا استعمال مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔ مثلاً اخلاقی رویوں، خدمت خلق اور معاشرتی مسائل کے حل کے ذریعے لوگوں کو دین کی حقانیت کی طرف راغب کیا جا سکتا ہے۔

میڈیا اور ٹیکنالوجی کا مؤثر استعمال

آج کے دور میں میڈیا اور ٹیکنالوجی کا استعمال بہت اہم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "استثارۃ الخصم" کے طریقے کو جدید وسائل کے ذریعے پیش کیا جاسکتا ہے، جیسے ویڈیوز، سوشل میڈیا پوسٹس اور آن لائن مباحثات کے ذریعے مخالفین کے نظریات کو چیلنج کرنا اور حقائق کو عام لوگوں تک پہنچانا۔

مسالمت آمیز مباحثات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مخالفین کے ساتھ نہایت صبر اور حکمت کے ساتھ مباحثات کیے۔ عصر حاضر میں بھی داعیان اسلام کو چاہیے کہ وہ مخالفین کے ساتھ مسالمت آمیز طریقے سے بات چیت کریں اور ان کے دلائل کو معقول انداز میں رد کریں۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں دین کی محبت پیدا ہو سکتی ہے۔

ان تمام طریقوں سے عصر حاضر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "استثارۃ الخصم" کے طریقے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے تاکہ دین کی حقانیت کو مؤثر طریقے سے لوگوں تک پہنچایا جاسکے۔

4) اسلوب المعاریض ("اشاروں میں بات کرنا" یا "کنایہ کے طور پر بات کرنا")

المعاریض: "معراض جو تعریض سے ہے اور یہ قول میں تصریح کے خلاف ہے۔ یعنی کسی چیز کے بارے میں بات کرنے میں دوسری چیز کی طرف اشارہ کرنا۔ معاریض کا مطلب ہے ایسے الفاظ یا بیانات جو ایک سے زیادہ معانی رکھتے ہوں، جہاں ظاہر اور باطن میں فرق ہو۔ یہ عموماً اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی بات کو واضح نہ کرے، بلکہ اُس کی بات کا ایک خفیہ مفہوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام راغب اصفہانی معاریض کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو كلام له وجهان مِن صدق وكذب أو ظاهر وباطن، فيقصد قائله الباطن ويظهر إرادة الظاهر، قال تعالى: ولا جناح عليكم فيما عرّضتم به مِن خِطْبَة النساء [21]

"المعاریض" وہ کلام ہے جس کی دو جہتیں ہیں: ایک سچائی کا اور دوسرا جھوٹ کا یا ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ بات کرنے والا باطنی معنی مراد لیتا ہے اور ظاہر کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اشارے کنایے میں عورتوں کے نکاح کی بات کرو" [22]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاریض کا استعمال اپنے مخالفین کے جواب میں کیا تاکہ ان کے عقائد اور نظریات کو مزید چیلنج کیا جا سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مخالفین کے غصے اور انتقام کے بعد ان کی مزاحمت اور عقائد کو چیلنج کرنے کے لیے معاریض کا استعمال کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے مخالفین کو اس بات پر اُکسایا کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ ان کے بتوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کے سامنے بڑے بت کو چھوڑ دیا اور اسے توڑ ڈالا، پھر بڑے بت کے ساتھ کلہاڑی لٹکائی تاکہ لوگوں کو یہ سمجھایا جاسکے کہ اگر بڑے بت کو پیچھے چھوڑا گیا ہے تو وہ خود ایک کھلاڑی ہے معبود نہیں ہے۔ یہاں انہوں نے بتوں کے غیر اہم ہونے کو واضح کیا اور انہیں عقل و فہم کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر تدبر قرآن میں ان آیات کی تفاسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس ٹھوکر نے ان کو متنبہ کیا اور وہ اپنے باطن کی آواز اور اپنے عقل و دل کی رہنمائی کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم لوگ تو اس نوجوان کو ظالم کہتے ہو لیکن اس نے ثابت کر دیا کہ ظالم وہ نہیں بلکہ ظالم تم خود ہو کہ ایسی چیزوں کو معبود بنائے بیٹھے ہو جو یہ صلاحیت بھی نہیں رکھتی ہیں کہ خود اپنے سر پر آئی ہوئی مصیبت کو دفع کر سکیں یا اس کو کسی دوسرے سے بیان ہی کر سکیں۔

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے بت سے زیادہ نفرت رکھتے تھے کیونکہ قوم اس کی زیادہ تعظیم کرتی تھی، اسی لیے بت شکنی کی نسبت مجازاً اسی کی طرف کر دی۔ یہ استہزائیہ انداز میں ایک تعریضی اقرار تھا، جیسے کسی خوشخطی نہ جاننے والے کو تحریر دیکھ کر کہنا: "یہ تم نے لکھی؟" اور وہ جواب دے: "نہیں، بلکہ آپ نے لکھی" آپ نے قوم کے عقیدے کی نقل کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ بت بول سکتے ہیں تو بت شکنی بھی کر سکتے ہیں، ورنہ ان میں کوئی طاقت نہیں۔ اس جواب سے بتوں کی بے بسی واضح ہوگئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ اقدامات اس بات کی مثال ہیں کہ کس طرح ایک داعی اپنی حکمت اور علم کے ذریعے مخالفین کو قائل کر سکتا ہے اور کس طرح معاریض کو حقیقت کے حق میں استعمال کر کے لوگوں کو بے نقاب کر سکتا ہے۔[23]

عصر حاضر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "اسلوب المعاریض" کے طریقے سے استفادہ کی صورتیں:

عصر حاضر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "اسلوب المعاریض" کے طریقے سے استفادہ کرنے کے کئی اہم طریقے موجود ہیں جو مؤثر دعوت و تبلیغ اور دین کی حقانیت کو واضح کرنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ اسلوب المعاریض میں زیرِ لب، اشاروں یا کنایات کے ذریعے حقیقت کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ مخاطب کو غور و فکر کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس طریقے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بغیر براہ راست ٹکراؤ کے مخاطب کو اس کی غلطیوں اور باطل عقائد کی کمزوریوں کا احساس دلایا جائے۔

نرم لہجے میں دعوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب المعاریض ہمیں سکھاتا ہے کہ نرم لہجے میں، بغیر تلخ کلامی کے، دعوت دی جائے۔ اس دور میں جہاں لوگوں کے درمیان بات چیت کے انداز میں تلخی اور سختی عام ہوتی جا رہی ہے، یہ اسلوب ہمیں سکھاتا ہے کہ اپنے مؤقف کو نرمی سے پیش کریں، تاکہ مخاطب کے دل پر اثر ہو اور وہ غور و فکر کرنے پر مجبور ہو۔

دلیل کے ساتھ بات کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب ہمیں سکھاتا ہے کہ جب بھی کسی بات کو پیش کریں، اسے مضبوط دلائل اور حقائق کے ساتھ پیش کریں۔ عصر حاضر میں جب لوگ عقلی اور منطقی دلائل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری باتیں منطقی ہوں اور دلیل کے ساتھ مضبوطی سے پیش کی جائیں۔

مخاطب کی سطح کے مطابق گفتگو

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب المعاریض ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ مخاطب کی سطح اور اس کے فہم کے مطابق گفتگو کی جائے۔ عصر حاضر میں جب مختلف لوگوں کے درمیان بات چیت ہوتی ہے، ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری باتیں مخاطب کی ذہنی سطح اور فہم کے مطابق ہوں، تاکہ وہ بہتر طور پر سمجھ سکے اور اس پر غور کر سکے۔

دشمنی اور عداوت کے بغیر دعوت دینا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ بغیر دشمنی اور عداوت کے باطل عقائد کے خلاف بات کریں۔ آج کے دور میں جب نظریاتی اختلافات بڑھ رہے ہیں، یہ اسلوب ہمیں اس بات کی رہنمائی کرتا ہے کہ ہم اپنے مخالفین کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں، تاکہ وہ ہماری بات کو سنجیدگی سے سن سکیں۔

عملی مثال کے ذریعے حقائق کو واضح کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کو چھوڑ کر عملی طور پر یہ ظاہر کیا کہ باقی بت کسی کام کے نہیں۔ عصر حاضر میں ہمیں بھی عملی مثالوں کے ذریعے لوگوں کو ان کے باطل عقائد کی کمزوریوں کا احساس دلانا چاہیے، تاکہ وہ حقیقت کو سمجھ سکیں۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "اسلوب المعاریض" کا طریقہ ہمیں عصر حاضر میں دعوت و تبلیغ کے کام میں مؤثر اور دانشمندانہ طریقے سے عمل کرنے کی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

خلاصہ کلام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت میں فطری دلائل، منطقی استدلال اور حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے لوگوں کو توحید کی طرف بلایا۔ انہوں نے شرک کے خلاف شدید مؤقف اپنایا اور اصلاح کی کوشش کی۔ ان کا طرزِ دعوت صبر، برداشت اور توکل پر مبنی تھا، جو عصرِ حاضر کے داعیان کے لیے ایک مثالی نمونہ ہے۔

انہوں نے عقیدۂ توحید کو اپنی دعوت کا محور بنایا اور سادہ منطقی دلائل کے ذریعے قوم کے باطل عقائد پر سوالات اُٹھائے۔ اپنے والد آزر کے ساتھ بھی محبت و احترام کا رویہ اپنایا، باوجود اس کے کہ انہیں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ تدریج کے اصول کے تحت انہوں نے قوم کو ستاروں، چاند اور سورج کی پرستش سے نکال کر اللہ کی وحدانیت کی طرف متوجہ کیا۔

آج کے دور میں ان کے اسلوب سے استفادہ کرنے کے لیے بین المذاہب مکالمہ، جدید ٹیکنالوجی کا استعمال اور اخلاقی تعلیمات کو فروغ دینا اہم ہے۔ ان کے حکیمانہ اور بصیرت افروز طریقوں کو اپنا کر داعیانِ اسلام اپنی دعوتی سرگرمیوں کو مؤثر بنا سکتے ہیں۔

حوالہ جات:

1 راغب الأصفہانی، أبو القاسم الحسین بن محمد، **المفردات في غریب القرآن**،(دمشق: دار القلم، الدار الشامیة،2007ء)،ص 315-316-

2 ابن تیمیہ، شیخ الإسلام أحمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام، **مجموع الفتاوی**،(ریاض: مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشریف،2000ء)،157/15-

3 ابن منظور، محمد بن مکرم،**لسان العرب**،(بیروت: دار صادر،2000ء)،342/2-

4 نخبة من اللغویین،**المعجم الوسیط**،(قاہرہ: مجمع اللغة العربیة،1972ء)،611/1-

5 راغب الأصفہانی، أبو القاسم الحسین بن محمد، **المفردات في غریب القرآن**،(دمشق: دار القلم، الدار الشامیة،2007ء)،ص 214-

6 سورہ مریم19:42-

7 ایضاً

8 ایضاً

9 مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، **تفسیر مظہری**،(لاہور: مکتبہ رحمانیہ،2006ء)،311/3-

10 سورہ مریم19:47-

11 الجرجانی، علي بن محمد، **کتاب التعریفات**،(بیروت: دار الکتب العلمیة،1983ء)،ص 207-

12 القرطبی، أبو عبد الله محمد بن أحمد الأنصاری، **الجامع لأحکام القرآن**،(قاہرہ: دار الکتب المصریة، 1964ء)،111/11-

13 سورۃ المائدۃ32:05-

14 سورۃ البقرۃ235:02-

15 سورۃ الأنعام83:06-

16 ایضاً81:06-

17 ایضاً76-78-

18 الآلوسی، شہاب الدین محمود، **روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم والسبع المثاني**،(بیروت: دار الکتب العلمیة،1995ء)،203/3-

19 سورۃ الأنبیاء58:21-

20 ابن کثیر، أبو الفداء إسماعیل بن عمر،**تفسیر القرآن العظیم**،(بیروت: دار الکتب العلمیة،1998ء)،182/3-

21 راغب الأصفہانی، أبو القاسم الحسین بن محمد، **المفردات في غریب القرآن**،(دمشق: دار القلم، الدار الشامیة،2007ء)،ص 299-

22 سورۃ البقرۃ235:02-

23 مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، **تفسیر مظہری**،(لاہور: مکتبہ رحمانیہ،2006ء)،263/3-